ہر ملک کی رعایا کو اپنے حکمران کی اطاعت کرنی چاہئے

(فرمودہ ۲۵۔جنوری ۱۹۲۹ء)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا وَمَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

جس قدر اجتماع دنیا میں ہوتے ہیں ان سب میں بعض پہلو فتنے کے بھی ہوتے ہیں اور عقلمند انسان وہی ہوتا ہے جو ایسے پہلوؤں سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔ اگر انسان جنگل میں جا رہے جہاں نہ کوئی اس کا ساتھی ہو اور نہ دوست' نہ کسی سے وہ بات کرے اور نہ اس سے کوئی بات کرے نہ وہ کسی سے کچھ مانگے نہ اُس سے کوئی کچھ مانگے نہ اُس سے کوئی معاملہ کرے نہ وہ کسی سے معاملہ کرے تو ایسی زندگی میں کوئی دقتیں پیش نہ آئیں گی لیکن ایسی زندگی کوئی خوشنما زندگی نہیں ہوگی بلکہ بُزدلی کی زندگی ہوگی۔ جب تک کہ انسان ایسی تنہائی کی زندگی کو اس لئے اختیار نہ کرے کہ طاقت حاصل کر کے ملک یا قوم کی خدمت میں لگ جائے جیسے رسول کریم ﷺ نے کیا۔ وہ خلوت بُزدلی کی وجہ سے نہ تھی دنیا کی تکلیفوں اور دقتوں سے ڈر کے باعث نہ تھی بلکہ ایسی تھی جیسے کوئی شخص ہتھیار لینے کے لئے گھر جاتا ہے۔ وہ اس لئے میدان سے نہیں ہٹتا کہ ڈرتا ہے بلکہ اس لئے ہٹتا ہے کہ زیادہ بہتر صورت میں ملک یا قوم کی خدمت کر سکے۔ پس اجتماع کے نتائج میں فسادات ضرور پیدا ہوتے ہیں لیکن ایسے موقعوں پر انسان کا اپنی عقل کو قائم رکھنا ہی دانائی ہے۔ اس مسئلہ کو رسول کریم ﷺ نے نہایت عمدگی سے اور خوبصورت پیرایہ میں ادا کیا ہے جب

آپ نے نکاح کے موقع پر جو دو انسانوں اور پھر دو خاندانوں میں بہت بڑا اجتماع ہوتا ہے یہ کلمات پڑھنے کا ارشاد فرمایا جو میں نے خطبہ سے پہلے پڑھے ہیں۔ لیکن ان کو نکاح کے موقع پر پڑھنے کے یہ معنے نہیں کہ ان کا نکاح ہی سے تعلق ہے۔ بلکہ خطبہ جمعہ میں بھی پڑھنے کا حکم ہے کیونکہ یہ بھی ایک اجتماع ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر اجتماع کے ساتھ یہ کلمات تعلق رکھتے ہیں اِن میں اُن فتنوں سے بچنے کا گُر بتایا گیا ہے جو اجتماع کے موقع پیدا ہوتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ جب کسی انسان کے نفس کی شرارتیں اس کے سامنے آ جاتی ہیں اور وہ انہیں تکمیل تک پہنچانے کے درپے ہو جاتا ہے تو وہ اسے چھوٹی سے چھوٹی بات کو بڑی اور بڑی سے بڑی کو چھوٹی کر کے دکھاتی ہیں اور اتحاد و اتفاق کی بنی ہوئی صورت کو بگاڑ کے رکھ دیتی ہیں یا بننے والی صورت کو بننے سے پہلے ہی توڑ دیتی ہیں۔

پس ہمیں ہمیشہ ایسے معاملات میں جہاں ایک سے زیادہ امور کا تعلق ہو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ شرورِ نفس کا تعلق نہ ہو اور اس کے مَالَهُ وَ مَا عَلَيْهِ کے متعلق پورا پورا غور کر کے مخالف و موافق حالات کو مدنظر رکھ کر رائے قائم کرنی چاہئے اور تعصب کی بناء پر کوئی کام نہ کرنا چاہئے۔

باوجود اس رائے کے اظہار کے جو میں نے ایک گذشتہ خطبہ میں ظاہر کی تھی کہ میں نے جماعت کے لئے سالانہ جلسہ کے موقع پر جو پروگرام تجویز کیا تھا اس پر جمعہ کے خطبوں میں تفصیلاً بیان کروں گا میں آج مجبور ہوا ہوں کہ ایک اور بات کی نسبت اپنی جماعت یا دوسرے اُن لوگوں کو جو میری بات سننا چاہتے ہوں، خواہ مخالفت کی نیت سے یا موافقت کے خیال سے، اپنی رائے سنا دوں اور وہ افغانستان کے موجودہ تغیرات ہیں۔ پچھلے دنوں جب میں لاہور گیا تو ہر مجلس میں یہی مسئلہ زیر بحث تھا حتّٰی کہ ہماری جماعت کے لوگوں کے احساسات میں بھی اس سے ایک تغیر معلوم ہوتا تھا۔ بعض بڑوں نے بھی اور طالب علموں نے بھی اس بارے میں مجھ سے دریافت کیا کہ ہماری جماعت کا کیا رویہ ہو۔ یہاں آ کر بھی میں نے محسوس کیا ہے کہ لوگ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے، کیا ہونا چاہئے اور کیا کرنا چاہئے۔ میں نے لاہور میں بھی اس کا یہی جواب دیا تھا اور میں سمجھتا ہوں یہی حقیقی جواب ہے کہ انسان کو اسی امر کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جہاں وہ کچھ کر سکے۔ جہاں وہ کچھ کر نہ سکے وہاں توجہ کرنا یا نہ کرنا ایک ہی بات ہے وہاں صرف احساسات کا سوال ہو سکتا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ فرض کرو کسی شخص کو تار ملے کہ اس کا کوئی

عزیز امریکہ کے ساحل پر سمندر میں ڈوب رہا ہے اب ظاہر ہے کہ وہ اس معاملہ میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ ایسے موقع پر اس کا یہ سوال کہ مجھے کیا کرنا چاہئے بیوقوفی کا سوال ہوگا کیونکہ وہ کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ تو ایسی صورت میں سوال احساسات کا ہوتا ہے کہ کیا احساسات ہونے چاہئیں؟ لیکن افغانستان کے واقعات کے متعلق یہ پوچھنا کہ ہمارے احساسات کیا ہونے چاہئیں؟ یہ بھی ایک فضول سوال ہے کیونکہ ہر ایک شخص کا اپنا خیال اور اپنی حس ہوتی ہے جسے وہ دوسرے کو نہیں دے سکتا۔ یہ بے شک صحیح ہے کہ خیالات کے ماتحت آہستہ آہستہ احساسات تبدیل ہو جاتے ہیں مگر براہِ راست ہم اپنی حس کسی دوسرے کو نہیں دے سکتے۔ اس لحاظ سے یہ سوال کہ ہمیں کسی قسم کے احساسات پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے قابلِ غور سوال رہ جاتا ہے۔

میرے نزدیک ہندوستان کے مسلمانوں کی بہت ساری طاقت اس وجہ سے ضائع ہو رہی ہے کہ وہ ایسے معاملات میں پڑ جاتے ہیں جن میں کچھ کر نہیں سکتے اور جو ان کے دائرۂ عمل سے باہر ہوتے ہیں۔ ٹرک یورپ کی جنگ میں شریک ہوئے تو انہوں نے شور مچایا کہ اسلام کی بنیاد خلافت پر ہے اگر یورپین اقوام نے خلافت کو نقصان پہنچایا تو ہم ان کی دھجیاں اُڑا دیں گے اور انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیں گے۔ لیکن ان ہی ٹرکوں نے جن کی حمایت میں یہ آوازیں بلند کی جاتی تھیں جب خود ہی ٹرکی خلافت کو مٹا دیا تو وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے اور کسی کی بھی دھجیاں نہ اُڑا سکے۔ ان کی دھمکیوں کا نتیجہ کیا نکلا۔ سوائے اس کے کچھ بھی نہ نکلا کہ یورپ نے کہا کہ مسلمان کہتے تھے اسلام کی بنیاد خلافت پر ہے جب خلافت مٹ گئی تو اسلام بھی مٹ گیا۔

میرے نزدیک مسلمانوں نے اپنے احساسات کو اس قدر ہلکا اور اتنا ارزاں کر دیا ہے کہ اب ان کی کچھ بھی قیمت نہیں رہی اور ان کی حیثیت جرمنی کے پرانے مارک کی سی ہو گئی ہے جو روپیہ کا اربوں ارب آتا تھا وہ اس وقت احساسات کا جوش ظاہر کرتے ہیں جب نتیجہ کچھ نہیں ہوتا اور ایسے رنگ میں انہیں پیش کرتے ہیں گویا وہ مارکٹ ایبل (MARKETABLE) یا منڈی میں رکھے جانے کے قابل کوئی چیز ہے لیکن آخر کار وہ ردّی ثابت ہوتی ہے۔ اگر وہ صرف جذبات کا اظہار کر دیا کریں اور کہہ دیا کریں کہ یہ بات ہمیں بُری لگتی ہے ہم اسے پسند نہیں کرتے اور یہ ارادہ رکھیں کہ جب بھی خدا تعالیٰ طاقت دیگا اسے بدل دیں گے تو ہر سمجھدار ان کے اس جذبہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھے گا اور کہے گا یہ قوم حالات کو سمجھتی ہے اور پختہ ارادہ رکھتی ہے۔

بے دست و پائی کی حالت میں گالیوں پر نہیں اُتر آتی اور فضول و بے فائدہ باتیں کہہ کر اپنا جوش نہیں ضائع کر دیتی بلکہ صرف جذبات کے اظہار پر اکتفا کرتی ہے۔ پھر یہ سمجھ کر کہ جو قوم سالوں نہیں بلکہ صدیوں تک اپنے جذبات کو دبائے رکھ سکتی ہے وہ مُردہ نہیں بلکہ اس میں زندگی کی روح باقی ہے اور وہ کسی نہ کسی دن ضرور کچھ کر کے رہے گی ان حالات میں دنیا مسلمانوں سے خوف کھائے اور ان کا رُعب ہو۔ لیکن ایک شخص جو روز دھمکیاں دیتا ہے کہ میں یہ کر دوں گا اور وہ کر دوں گا لیکن جب کرنے کا وقت آتا ہے تو خاموش ہو کر گھر میں جا گھستا ہے اس کیا رُعب ہوسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اب مسلمانوں کی آواز کی کوئی قدر نہیں اور ہندوؤں کی آواز کی قدر ہے۔ اگرچہ صدیوں کی غلامی کی وجہ سے وہ بھی کماحقہٗ اپنے جذبات کو دبا نہیں سکتے لیکن مسلمانوں سے زیادہ دبا لیتے ہیں اس لئے ان کا رُعب قائم ہے۔ جب تک ہندوستان کے مسلمانوں نے یورپ کو یہ دھمکی نہیں دی تھی کہ اسلام کی بناء خلافتِ ٹرکی پر ہے اگر اس خلافت کو مٹایا گیا تو ہم یورپ کو مٹا دیں گے' ان کی آواز میں کچھ نہ کچھ زور تھا اور ان کا رُعب تھا لیکن جس دن ان کی اِس دھمکی کے نتائج صفر نکلے تو یورپ نے سمجھ لیا یہ سب بچوں کا کھیل ہے۔

میرے نزدیک افغانستان کے معاملات کے متعلق مسلمانوں کو صرف ایک بات پر زور دینا چاہئے اور وہ یہ کہ کوئی غیر ملکی حکومت اس کے اندرونی معاملات میں دخل نہ دے اور واضح طور پر بتا دینا چاہئے کہ ہم ایسی مداخلت کو ناپسند کرتے ہیں اس طرح اپنے خیالات کا اظہار کر دینا چاہئے اس کے سوا کسی دھمکی کی ضرورت نہیں۔ جب کچھ کرنے کا موقع آئے گا اور کچھ کر کے دکھانے کی طاقت پیدا ہو جائے گی اُس وقت دیکھا جائے گا۔ فرض کرو مسلمانوں میں لڑنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت پیدا ہوگئی ہے اُس وقت اگر چاہئیں تو بے شک لڑ پڑیں۔ لیکن قبل از وقت کہہ دینا کہ ہم یوں کریں گے مگر موقع پر چُپ کر کے بیٹھ رہنا ایک فضول امر ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کہیں تو موقع آنے پر ان کے ہاتھ شَل نہیں ہو جائیں گے کہ دشمن کو پکڑ نہ سکیں۔ اگر وہ کسی بات کا ارادہ رکھتے ہیں اور ان میں طاقت پیدا ہوگئی ہے خواہ اظہار کریں نہ کریں وقت پر دشمن کو پکڑ سکیں گے۔ لیکن اگر ہم جانتے ہیں کہ ہم دشمن کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اور پھر کہتے ہیں اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو ہم یہ کر دیں گے وہ کر دیں گے تو دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو ہماری بات مانی جائے گی یا نہیں مانی جائے گی۔ اگر نہ

مانی گئی اور ہم نے کچھ کیا بھی نہ تو اس کا نتیجہ سوائے اس کے کیا ہوگا کہ دنیا محسوس کرے گی یہ قوم فضول شور مچانے والی ہے کر کچھ بھی نہیں سکتی اور پھر کبھی ہماری بات کی پرواہ نہ کی جائے گی۔

افغانستان کے حالات کے متعلق بعض لوگ یہی شور مچاتے رہے کہ وہاں کوئی بات ایسی نہیں کی جا رہی جو اسلام کے خلاف ہو اور یہی باتیں پہلے ترکوں کے متعلق کہی جاتی تھیں کہ یہ سب یورپین پروپیگنڈا ہے لیکن اب علی برادران میں سے مولوی محمد علی صاحب نے بھی ان باتوں کی تصدیق کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے ایک مُلّاں نے مجھے بتایا کہ یہاں ہمارے لئے قرآن پڑھنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ اب ان کی نسبت تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ گورنمنٹ کی طرف سے باتیں پھیلاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی ساری عمر یا تو قید میں گزاری ہے یا گورنمنٹ کی مخالفت میں۔ جب پہلے پہل یہ خبریں شائع ہوئیں تو میں خاموش رہا اور سمجھا کہ شاید جھوٹ ہی ہوں لیکن جب ہمارے آدمی وہاں گئے اور انہوں نے اس امر کی تصدیق کی کہ واقعی تُرک اسلام کے خلاف چل رہے ہیں تو مجھے یقین آیا۔ وہ اگرچہ اجتہادی رنگ میں ہی ایسا کرتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام خدا اور رسول پر ایمان لانے کا نام ہے باقی باتوں کو وہ رسوم سمجھتے ہیں اور ان میں تغیّر و تبدّل جائز قرار دیتے ہیں اس لئے یہ تو ہم نہیں کہتے کہ تُرکوں کو اسلام سے تعلق نہیں رہا اور وہ اسلام سے متنفّر ہو چکے ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ اسلام کے ایسے معنی کر رہے ہیں کہ ان کے رائج ہونے کی صورت میں اسلام کے لئے سخت خطرہ ہے۔ جیسے عیسائیوں کی مثال ہے آج سے اٹھارہ سَو سال پہلے جس طرح عیسائی اپنے مذہب کے لئے قربانیاں کرتے تھے ویسی ہی قربانیاں کرنے والے آج بھی موجود ہیں مگر موجودہ عیسائیوں کا مذہب وہ نہیں جو اٹھارہ سَو سال قبل کے عیسائیوں کا تھا۔ پس یہ مطلب نہیں کہ تُرک اسلام سے متنفّر ہو چکے ہیں یا یہ کہ اسلام کی عزت ان کے دلوں میں نہیں ہے یا وہ اسلام کے لئے آج جان دینے کے لئے تیار نہیں۔ میرے خیال میں تُرک آج بھی اس اسلام کے لئے جسے وہ اسلام سمجھتے ہیں اُسی طرح جانیں فدا کرنے کے لئے تیار ہیں جس طرح ان کے آباء واجداد اس اسلام کے لئے جانیں قربان کرتے تھے جسے وہ اسلام سمجھتے تھے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ تُرک اسلام میں جو تغیرات کر رہے ہیں ان کا اثر اسلام پر کیا پڑے گا۔ اگر صرف خدا اور رسول پر ایمان کو اسلام سمجھا جائے اور باقی سب باتیں رسوم قرار دیدی جائیں تو نماز، حج اور روزہ وغیرہ میں تغیر کیوں نہ کیا جائے۔ آج اگر ان احکام میں تھوڑا بہت تغیر تسلیم کر لیا جائے تو آج سے

سَو سال کے بعد جواُن کی نسلیں ہوں گی وہ کہہ سکتی ہیں کہ ہمارے آباء واجداد نے بہت تھوڑا تغیر کیا تھا دراصل اس سے بہت زیادہ تغیر کی ضرورت ہے۔ اسی اصل کے ماتحت ان کی یہ بات بھی درست تسلیم کرنی پڑے گی۔ فرض کرو آج سے سَو سال کے بعد ایک قوم اٹھے اور کہے کہ رمضان کے روزے فضول ہیں یا یہ کہ روزہ میں ہلکی غذا کھالینی جائز ہے یا کوئی یہ کہہ دے کہ جب رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اصل روزہ نواہی اور فواحش سے احتراز کا نام ہے[1] تو اسی اصل کے ماتحت ان کا یہ خیال کیونکر غلط کہا جاسکتا ہے اور اگر یہ باتیں صحیح مان لی جائیں تو اس طرح اسلام کا کیا باقی رہ جاتا ہے۔ کیا یہ وہی اسلام ہوگا جسے رسول کریم ﷺ نے دُنیا میں پیش کیا تھا۔ پس یہ سوال نہیں کہ وہ اسلام سے متنفر ہو گئے ہیں بلکہ یہ ہے کہ اسلام سے نسبت رکھتے ہوئے وہ ایسے طریقے اختیار کر رہے ہیں جن سے اسلام کی بربادی کا امکان ہے۔

یہی حال افغانستان کا ہے یہ غلط ہے کہ وہاں ایسی اصلاحات نہیں ہوئیں جو اسلام پر بُرا اثر ڈالتی ہیں۔ ہم اپنے علم کی بناء پر جانتے ہیں کہ وہاں ایسی اصلاحات کا نفاذ ہوا اور یہ یورپ کا شائع کردہ پروپیگنڈا نہیں بلکہ حقیقت ہے۔

بعض حالات کے لحاظ سے وہاں یقیناً ایسی باتیں ہوئیں جنہیں مسلمانوں کا ایک طبقہ جن میں ہم بھی شامل ہیں ناجائز سمجھتا ہے۔ وہاں ایسا جبر ہوا جو جائز نہیں۔ یقیناً وہاں پردہ اُٹھایا گیا اور ایسے رنگ میں اُٹھایا گیا جسے سب مسلمان ناجائز سمجھتے ہیں۔ پردہ سے بعض لوگ چہرہ کو نکال دیتے ہیں اور ہم بھی خاص ضرورت کے وقت اسے جائز سمجھتے ہیں مگر ایسے لوگ بھی جو چہرہ کو پردہ سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں افغانستان کے پردہ اُٹھا دینے کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ ملکہ ثریا کی ایسی تصویریں شائع ہوئیں جن میں ان کی باہیں بھی ننگی تھیں اور ایسا ٹی گاؤن پہنا ہوا تھا جو انگریز عورتیں پہنتی ہیں۔ تو وہاں پردہ کو ایسی صورت میں مٹایا گیا جسے مسلمانوں کا وہ طبقہ بھی جو پردہ کی بہت کم تعریف کرتا ہے ناجائز سمجھتا ہے۔ اسی طرح اور بھی ایسے امور وہاں اختیار کئے گئے جن کو اسلام میں دست اندازی سمجھا گیا۔ یا یہ سمجھا گیا کہ ان کا نتیجہ اسلام میں دست اندازی ہوگی۔ جیسے جمعہ کی بجائے اتوار کی چھٹی کرنا حالانکہ مسلمانوں کو جمعہ کی عظمت سے آگاہ کرنے کے لئے قرآن کریم نے سبت پر بہت زور دیا ہے اس سے قرآن کا مقصد یہودیوں کو ہوشیار کرنا نہ تھا بلکہ یہ مطلب تھا کہ تا مسلمان بھی یہودیوں والی غلطی نہ کر بیٹھیں۔ یہ حالات اس قابل تھے کہ ان پر اعتراض کیا جاتا مگر ہم خاموش

رہے زیادہ سے زیادہ ایک خطبہ میں مَیں نے بیان کیا کہ ہم ان باتوں کو خلافِ اسلام سمجھتے ہیں اور ان سے متفق نہیں ہیں اس سے زیادہ ہم نے ان باتوں میں حصہ نہ لیا اور نہ اس سے زیادہ حصہ لینا جائز سمجھتے تھے۔ پس ان باتوں کے متعلق یہ کہنا کہ یہ یورپین پروپیگنڈا ہے غلط بات ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ امان اللہ خاں یورپ گئے وہاں ان کی بہت عزت ہوئی' ان کا بڑا ادب واحترام کیا گیا اس لئے کہ وہ ایک بڑھنے والی طاقت کے حکمران تھے مگر وہ اس اعزاز کا شکار ہو گئے۔ وہ گئے تو دوسروں کو شکار کرنے کے لئے تھے اور یورپین حکمرانوں نے سمجھا بھی یہی کہ کہ ہم شکار ہو رہے ہیں اور انہیں کابل کے بادشاہ کا شکار ہونے کی ضرورت بھی تھی لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ امان اللہ خاں خود شکار ہو گئے اور یہ سخت غلطی ہوئی۔ مگر سوال یہ ہے کہ باوجود اس کے جو کچھ ہوا وہ درست ہے یا نہیں؟ سو یاد رکھنا چاہئے ہمارا یہ مسلک ہے کہ ہر ملک کی رعایا کو ہر حالت میں اپنے حکمران کی اطاعت کرنی اور اس کا وفادار رہنا چاہئے اگر وہ مذہب میں دخل دیتا اور دست اندازی کرتا ہے تو انہیں صرف اعلان کے ذریعہ ان باتوں سے اپنی براءت کر دینی چاہئے لیکن اگر وہ ان احکام پر عمل کرنے کیلئے مجبور کرے اور کہے اسی طرح کرو جس طرح میں کہتا ہوں تو انہیں چاہئے کہ خاموشی کے ساتھ ملک چھوڑ کر باہر چلے جائیں اور بغاوت بالکل نہ کریں۔ ہمارا یہ عقیدہ ہر حکومت کے متعلق ہے ہم یہ انگریزوں کے متعلق ہی نہیں کہتے بلکہ ہر حکومت کے لئے کہتے ہیں۔ کابل کے متعلق بھی یہی کہتے ہیں وہاں جن لوگوں نے ہمارے اس عقیدہ کے خلاف کیا انہوں نے ہمارے نزدیک بہت بُرا کیا۔

گو افغانستان کی حکومت نے جو کچھ کیا تھا بُرا کیا تھا یہ غلطی تھی کہ اصلاحات کو ضرورت سے زیادہ حد تک پہنچا دیا۔ کابل میں اصلاحات کی بے شک ضرورت ہے اور ہم اسے بہت مبارک سمجھتے اگر اصلاحات کو اسلامی حدود کے اندر رکھا جاتا۔ ہم اسے ایک رحمت کہتے لیکن وہاں ایسی اصلاحات کی گئیں جو حقیقت سے تعلق نہیں رکھتیں اور اسلام کی حقیقت سے دور لے جانے والی کوئی اصلاح مفید نہیں ہو سکتی۔ ہم ان لوگوں میں سے نہیں جو افغانستان کی شرع کے خلاف اصلاحات کو بھی درست سمجھیں ہم ان باتوں کو شرعاً درست نہیں سمجھتے اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ یہ غلطی ہوئی مگر باوجود اس کے جنہوں نے بغاوت کی ان کے فعل کو بھی درست نہیں سمجھتے۔ ہمارے نزدیک بغاوت کرنے والوں نے غلطی کی مگر میں سمجھتا ہوں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہہ ہے کوئی کہے ایک طرف تو بغاوت کو ناجائز کہا جاتا ہے اور دوسری طرف خدا تعالیٰ کی طرف سے تنبیہہ قرار دیا جاتا

ہے یہ دونوں باتیں کس طرح درست ہوسکتی ہیں۔ میں کہتا ہوں دونوں باتیں درست ہیں۔ جو انسان حقیقی اصلاح کے لئے کھڑا ہوتا ہے خدا تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے اور بادشاہ چونکہ خدا کے بندوں کی حفاظت کرتا ہے اس لئے وہ اس کا محافظ ہوتا ہے۔ اگر امان اللہ خاں حد سے نہ بڑھ جاتے تو بالکل ممکن تھا کہ جب ان کے خلاف بغاوت ہوئی خدا تعالیٰ کا تائیدی ہاتھ اُٹھتا اور اُنہیں بچالیتا لیکن جب خدا تعالیٰ نے دیکھا کہ وہ بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں اور جبر سے کام لیتے ہیں تو خدا نے تائید نہ کی۔ پس باوجود اس کے کہ میں بغاوت کو ناجائز قرار دیتا ہوں یہ سمجھتا ہوں کہ اس میں خدا کا ہاتھ کام کر رہا ہے اور اگر آج بھی وہ اصلاح کرلیں اور عہد کریں کہ مذہبی امور میں جبر نہیں کریں گے نہ مذہبی معاملات میں دست اندازی کریں گے تو کوئی تعجب نہیں کہ خدا تعالیٰ انہیں پھر حکومت دیدے کیونکہ دنیا میں ایسا ہوتا آیا ہے کہ کئی لوگوں نے ایک دفعہ حکومت کھو کر دوبارہ حاصل کرلی۔ بابر کے ساتھ کئی دفعہ ایسا ہوا' ہمایوں کے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا اور امیر تیمور سے بھی کئی دفعہ ایسا ہوا پس امان اللہ خاں کی ایک دفعہ کی شکست کوئی بڑی چیز نہیں اگر وہ توبہ کرلیں تو خدا تعالیٰ پھر انہیں حکومت کرنے کا موقع دے سکتا ہے اور ان کی شکست فتح سے تبدیل ہوسکتی ہے یا اگر خدا تعالیٰ کی تقدیر افغانستان میں اسلام کے بعض احکام کو مٹوانا ہی چاہتی ہو تو ممکن ہے بغیر توبہ کے ہی دوبارہ موقع دیدے اِس وقت تک جو کچھ ہو چکا ہے یہ ایسی بات نہیں جس میں تغیر نہ ہو سکے۔ سب کچھ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

بہرحال بغاوت کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ ناجائز ہے سوائے اس کے کہ لوگ ملک سے نکلنا چاہتے ہوں مگر حکومت انہیں وہاں رہنے اور شرعی احکام کے خلاف عمل پیرا ہونے پر مجبور کرے۔ مثلاً اگر کوئی بادشاہ اپنی رعایا کو ایسے موقع پر تلواریں اُٹھانے کا حکم دے جو شرعاً ناجائز ہو اور رعایا انکار کردے لیکن بادشاہ مجبور کرے تو اس صورت میں رعایا کا فرض ہے کہ ملک سے نکل جائے ہاں اگر وہ ملک سے نکلنے بھی نہ دے تو پھر مقابلہ جائز ہے۔ ہمیں معلوم نہیں افغانستان میں ایسی صورت پیش آئی یا نہیں' اگر پیش آئی تو مقابلہ کرنے والے باغی نہیں بلکہ وہ معذور ہیں لیکن اگر پیش نہ آئی اور جہاں تک حالات سے ظاہر ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پیش نہیں آئی تو وہ باغی اور خدا تعالیٰ کے گناہ گار ہیں۔ بہرحال ہم دونوں کو غلطی پر سمجھتے ہیں ہم امان اللہ خاں کو بھی غلطی پر سمجھتے ہیں کیونکہ انہوں نے ایسے امور میں دخل دیا جن میں دخل دینے کا انہیں حق نہ تھا اور

باغیوں کو بھی کہ انہوں نے حکومت کے خلاف تلوار اُٹھائی' ملک میں بدامنی پھیلائی ہاں اگر وہ نکل جانے کا مطالبہ کرتے اور انہیں جانے نہ دیا جاتا تو حق بجانب ہوتے۔ لیکن اگر ایسا نہیں کیا گیا تو ان کی بغاوت قطعاً ناجائز' نہایت ہی خطرناک اور امن عامہ کو برباد کرنے والی ہے۔

اب رہا یہ امر کہ آئندہ کیا ہو اس کے متعلق ہمارا یہی اصل ہے کہ جس معاملہ میں ہم دخل نہیں دے سکتے اس کے متعلق کچھ کہنا فضول ہے بھلا غور تو کرو۔ ہمارے ریزولیوشنز اور اظہارِ ناراضی کے جلسے بچہ سقّہ اور شنواریوں کی بغاوت پر کیا اثر ڈال سکتے ہیں۔ بے شک اس امر کا اظہار کر دو کہ بچہ سقّہ اور باغیوں نے غلطی کی اور دنیا کو بتا دو کہ ہم ان کی حرکات کو ناپسند کرتے ہیں اور ہمارے یہ خیالات ہیں مگر یہ پوزیشن صرف احمدیوں کی ہے۔ یہ حق ہمیں ہی حاصل ہے کہ بچہ سقّہ کو گناہ گار قرار دیں۔ جو لوگ ٹرکی اور ایران میں بغاوتوں کے وقت باغیوں کے ساتھ رہے ہیں ان کا کوئی حق نہیں کہ بچہ سقّہ کو بُرا کہیں کیونکہ جس طرح بچہ سقہ نے امان اللہ خاں کے خلاف بغاوت کی ہے اسی طرح مصطفٰی کمال پاشا نے شاہِ ٹرکی کے خلاف بغاوت کی تھی اور اسی طرح رضا خاں نے شاہِ ایران سے کی تھی۔ جو لوگ ان کی تائید اور حمایت کرتے رہے ہیں وہ بچہ سقّہ کے خلاف کس طرح آواز اُٹھا سکتے ہیں۔ پس اگر مصطفٰی کمال اور رضا خاں بغاوت کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے لیڈر بن سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ بچہ سقّہ کو مسلمان لیڈر نہ سمجھیں لیکن ہم نے مصطفٰی کمال پاشا کی بغاوت کو بھی بغاوت قرار دیا' رضا خاں کی بغاوت کو بھی بغاوت قرار دیا اور اب بچہ سقّہ کی بغاوت کو بھی بغاوت ہی کہتے ہیں ہم ان تینوں کو غلطی پر سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں غلطی کی۔ اپنے اپنے زمانہ سے میری یہ مراد ہے کہ بعض اوقات بغاوت کرنے والا ہی بادشاہ ہو جاتا ہے اور اس وقت اُس کی اطاعت ضروری ہوتی ہے جب بغاوت کرنے والا ملک پر پوری طرح قابض اور مسلّط ہو جائے تو پھر اُس کی اطاعت کرنی چاہئے۔ اُس وقت اس کی اطاعت اسی طرح فرض ہو جاتی ہے جیسے پہلے بادشاہ کی۔ مثلاً اگر بچہ سقّہ افغانستان پر اسی طرح قابض ہو جائے جیسے مصطفٰی کمال پاشا ٹرکی پر قابض ہو گئے تھے یا رضا شاہ ایران پر' تو پھر اس کے خلاف اُٹھنے کو بھی ہم بغاوت ہی قرار دیں گے۔ یہی حال ہندوستان کا ہے۔ اگر کوئی قوم انگریزوں کے خلاف جنگ کرے گی تو اس جنگ کو ہم بغاوت قرار دیں گے لیکن اگر انگریز ہتھیار ڈال دیں اور اطاعت قبول کر لیں تو پھر جو قوم حکمران ہو گی اس کی اطاعت ضروری سمجھیں گے۔

غرض اصل یہ ہے کہ جب تک کوئی قوم شریعت اسلامی کے مطابق عمل کر کے اپنے آپ کو بغاوت سے بَری نہیں کر لیتی اُس وقت تک حکومت کے خلاف کھڑے ہونے کی وجہ سے باغی ہے اور اُس وقت تک باغی ہے جب تک حکومت اس کے ہاتھ میں نہیں آ جاتی۔ جس کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو یہ کہ بادشاہ اپنے حق سے دست بردار ہو جائے اور اطاعت قبول کر لے۔ یا پھر اس ملک کو چھوڑ کر چلا جائے۔ ورنہ یوں تو سب نے ہی بغاوت کر کے حکومتیں حاصل کی ہوتی ہیں۔ پہلے پہل تُرکوں نے بھی بغاوت سے ہی حکومت حاصل کی تھی۔ بنو اُمیہ نے بھی بغاوت سے ہی حکومت لی تھی۔ غرض جب تک بغاوت جاری رہے اُس وقت تک اس کی حمایت یا اطاعت ناجائز ہوتی ہے لیکن جب حکومت قائم ہو جائے تو پھر خدا تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ اُس کی اطاعت کرو تا فساد دور ہو اور امن قائم ہو۔ پس اس اصل کے ماتحت ہمارے نزدیک بچہ سقّہ ہو یا کوئی اور، بغاوت کرنے میں غلطی پر ہے۔ لیکن اگر وہ یہ ثابت کر دے کہ وہ ملک چھوڑ کر نکل جانا چاہتے تھے مگر انہیں نہ جانے پر مجبور کیا گیا تو ایسی حالت میں ان کا مقابلہ کے لئے کھڑا ہونا جائز ہوگا۔ لیکن چونکہ ہمارے پاس اس قسم کے حالات نہیں پہنچے کہ انہوں نے ایسا کیا اس لئے ہم انہیں باغی سمجھتے ہیں اور ہمارے نزدیک وہ غلطی پر ہیں۔ غرض آئندہ کے متعلق ہمارا مسلک یہی ہے کہ ہمیں کسی خاص شخص سے کوئی تعلق نہیں ہے جو بھی حکومت کسی ملک میں قائم ہو اُس کی اطاعت فرض اور اس سے بغاوت گناہ ہے ہم نے عام فائدہ اسلام کا دیکھنا ہے۔ میرے نزدیک سیاسی لحاظ سے اسلام کو (حقیقی اسلام کو نہیں کیونکہ وہ تو خود اپنی ذات سے قائم ہے اور اسے اپنے قیام کے لئے کسی ایسے سہارے کی ضرورت نہیں) ہاں سیاسی لحاظ سے اسلام کو ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں زبردست آزاد اور مضبوط حکومتیں ہوں یہی وجہ تھی کہ باوجود اس کے کہ شریف حسین کے زمانہ میں ہم اس کی حکومت کو جائز سمجھتے اور اس کے خلاف بغاوت کو ناجائز قرار دیتے تھے لیکن جب سلطان ابن سعود نے پوری طرح وہاں اپنا تسلّط جما لیا اور اس کی حکومت قائم ہوگئی تو اب ہم اسی کو جائز سمجھتے اور اس کے خلافت بغاوت کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اب اگر شریف بھی اس پر حملہ کرے گا تو ہمیں بُرا لگے گا۔ اسی لئے ہم بچہ سقّہ کو بھی بُرا سمجھتے ہیں کہ اُس نے ایک آزاد اسلامی حکومت کو ضُعف پہنچایا۔ جب تک وہ خود وہاں حکومت قائم نہ کر لے ہم اسے بُرا ہی کہیں گے اب وہاں خواہ کوئی بادشاہ ہو جائے۔ امان اللہ خاں ہو یا عنایت اللہ خاں، نادر خاں ہو یا علی احمد جان یا بچہ سقّہ جو

بھی وہاں ایسی حکومت قائم کر لے گا جو سارے افغانستان پر حاوی ہوگی' بالکل آزاد ہوگی' کسی دوسری سلطنت کے ماتحت نہ ہوگی' ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لئے کوشش کرے گی اس کے ہم ایسے ہی خیر خواہ ہوں گے جیسے اُن اسلامی حکومتوں کے ہیں جو اپنے ممالک میں مسلمانوں کی ترقی کی کوشش کر رہی ہیں۔ پس ہمارے آئندہ کے متعلق احساسات یہ ہیں کہ وہاں ایسی حکومت قائم ہو جو بالکل آزاد ہو۔ وہ نہ انگریزوں کے ماتحت ہو نہ روسیوں کے نہ کسی اور کے۔ ہم اسے بھی پسند نہیں کرتے کہ افغانستان ایک دفعہ کامل آزادی حاصل کرنے کے بعد تھوڑا بہت ہی انگریزوں کے ماتحت ہو۔ ہم اُسے اس طرح دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ آزاد ہو۔ مضبوط ہو' ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو اور نہ کسی کے ماتحت یا زیر اثر ہو۔ اگر وہاں ایسی حکومت قائم ہو جائے تو حکمران خواہ کوئی ہو ایسی حکومت اسلام کے لئے مفید ہوگی۔ اس کے لئے ہماری طرف سے جو ایڈریس گورنر صاحب پنجاب کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے اس میں بھی ہم نے اس مسئلہ کو اُٹھایا ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ ہم اسے سخت ناپسند کرتے ہیں کہ افغانستان کے معاملات میں کسی قسم کا دخل دیا جائے اور ہم امید رکھتے ہیں گورنمنٹ اس بات کی احتیاط کرے گی کہ افغانستان کے اندرونی معاملات میں ہرگز مداخلت نہ کی جائے اور جیسے وہ پہلے آزاد تھا ویسے ہی اب بھی رہے۔ میرے نزدیک مسلمانوں کو صرف اس بات کی ضرورت ہے اور مسلمانوں کی تمام جماعتوں اور انجمنوں کو بالاتفاق پورے زور کے ساتھ یہ اعلان کر دینا چاہئے کہ ہم اسے سخت ناپسند کرتے ہیں کہ افغانستان کے فسادات کے نتیجہ میں کوئی غیر قوم خواہ وہ انگریز ہی ہوں اس مُلک پر کسی قسم کا تصرّف کرے۔ افغانستان اسی طرح آزاد ہونا چاہئے جیسے پہلے تھا۔ چاہے کوئی بادشاہ ہو امان اللہ خاں ہو یا عنایت اللہ خاں' نادر خاں یا علی احمد جان یا بچہ سقّہ یا کوئی اور بچہ ہو بہر حال افغانستان آزاد رہے تا کہ تمام مسلمانوں کی سیاسی طاقت کو جو پہلے ہی بہت کمزور ہے مزید نقصان نہ پہنچے۔ یہ بات ہے جس کی اِس وقت مسلمانوں کو ضرورت ہے ڈراوے اور دھمکیاں دینا یا یہ کہنا کہ ہم یوں کر دیں گے فضول ہے اور اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا۔ بالاتفاق سُنّی' شیعہ' احمدی' وہابی وغیرہ سب کو مل کر یہ آواز بلند کرنی چاہئے اور اعلان کر دینا چاہئے کہ ہمیں یہ خطرہ ہے کہ کوئی غیر قوم کابل کو اپنے اقتدار کے نیچے لانے کی کوشش کریگی ہم اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور بُرا سمجھیں گے۔ باقی یہ کہ ہم کیا کریں گے ہم نے کیا کرنا ہے جب خدا تعالیٰ تغیرات پیدا کر دیگا تو جو کچھ کر سکتے

ہو نگے کر لیں گے۔ ابھی سے دھمکیاں دینا کچھ کام نہیں دے سکتا اور حقائق کا انکار کہ یہ سب کچھ یورپ کا پروپیگنڈہ ہے کوئی فائدہ نہیں دے سکتا سوائے اس کے کہ ہم دل میں شرمندہ ہوں کہ ہم نے جھوٹ بولا۔ جب پہلے پہل بغاوت کی خبریں آئیں تو کہا گیا کچھ بھی نہیں' باغیوں کی کچھ ہستی ہی نہیں وہ چند لٹیرے ہیں۔ نتیجہ کیا ہوا یہ کہ ایک بادشاہ حکومت سے دستبردار ہو کر دارالحکومت سے چلا گیا دوسرا بھائی اس کی جگہ بادشاہ ہوا مگر وہ بھی جانے پر مجبور ہوا اور بچہ سقہ قابض ہو گیا۔ معلوم نہیں وہ سقّہ کا بچہ ہے یا جیسا کہ کہا جاتا ہے کسی بڑے فوجی افسر کا لڑکا ہے اس نے کسی موقع پر مشک اُٹھائی تھی اس وجہ سے امیر حبیب اللہ خاں پیار سے اس کو بچہ سقّہ کہا کرتے تھے۔ پس حقائق کو چُھپانے اور دھمکیاں دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ دنیا ہم کو جھوٹا سمجھے کہ یہ کہتے تھے ہم یہ کریں گے' وہ کریں گے' مگر کیا کرایا کچھ بھی نہیں اور ہم دلوں میں محسوس کریں کہ ہم نے جھوٹ بولا تھا۔ یہ یقینی بات ہے کہ خدانخواستہ اگر کوئی غیر ملکی حکومت دخل دے بھی دے خواہ وہ انگریز ہی ہوں تو خواہ ہم اسے کتنا ہی ناپسند کریں لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ ہندوستان کے مسلمان کچھ کر سکیں گے۔ انہوں نے نہ کبھی پہلے کچھ کیا نہ اب کریں گے۔ جب خدا تعالیٰ کسی قوم کے ہاتھوں سے تلوار چھین لیتا ہے تو اس کے معنے یہی ہوتے ہیں کہ اب صبر کرو جب تلوار دیں گے اُس وقت جو مناسب ہو کر لینا۔ اور تلوار دینے کے سامان خدا تعالیٰ خود پیدا کر دیا کرتا ہے مگر وہ سامان ابھی نظر نہیں آتے جب خدا تعالیٰ کی طرف سے سامان پیدا ہوتے ہیں تو اُس وقت تلوار کا استعمال جائز ہوتا ہے جیسے رسول کریم ﷺ کے وقت ہوا۔ کفار نے مسلمانوں کو ہجرت سے جبراً روکا۔ اُس وقت مسلمانوں کے لئے تلوار اٹھانا جائز تھا' خواہ وہ مکہ میں رہ کر ہی اُٹھاتے۔

پس میرے نزدیک اِس وقت مسلمانوں کو ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ تمام مسلمان بالاتفاق یہ اعلان کر دیں کہ ہم غیر ملکی دست اندازی کو ناپسند کرتے ہیں اور ہمارے احساسات کا اگر کچھ خیال رکھا جا سکتا ہے تو کسی کو افغانستان کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دینا چاہئے نہ انگریزوں کو دخل دینا چاہئے نہ روسیوں کو اور نہ کسی اور کو اور اس کے بعد ہمارا یہ فرض ہے کہ خدا تعالیٰ سے دعا کریں کہ اے خدا! اسلام کے لئے جو بہتر ہے وہی ہو۔ ہمیں کیا پتہ ہے کہ اِس ملک کے لئے کونسا بادشاہ مفید ہوگا۔ یہ غیب کی بات ہے اسے اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہئے بلکہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہئے اور یہ دعا کرنی چاہئے کہ اِس ملک کے لئے جو مفید اور بہتر ہو اسے

کھڑا کرے۔ ہاں جب تک اصل حکومت قائم نہ ہو جائے اس وقت تک قائم شدہ حکومت کے خلاف کھڑے ہونے والوں کو ہم باغی ہی کہیں گے جیسے امیر معاویہ جب تک حضرت علیؓ سے لڑتے رہے باغی تھے لیکن جب اُن کی حکومت قائم ہوگئی اور انہوں نے ملک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا تو رضی اللہ عنہ کے مصداق بن گئے۔ خدا تعالیٰ نے انہیں ایک آزاد ملک عطا کر دیا اور انہیں خدمت کے ایسے موقع مل گئے کہ خدا تعالیٰ نے بغاوت کا الزام اُن سے دھو دیا۔ آج ہم انہیں رضی اللہ عنہ کہتے ہیں لیکن اگر کوئی یہ سوال کرے کہ معاویہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں کون تھے۔ تو آج بھی ہم یہی کہیں گے کہ باغی۔ مگر جب یہ سوال نہ ہوگا تو ہم انہیں حضرت امیر معاویہؓ کہیں گے پس جب تک افغانستان میں کوئی حکومت قائم نہ ہو جو امان اللہ کے مقابلہ میں کھڑا ہوگا باغی کہلائے گا۔ ہمارے پاس اگر فوجیں ہوتیں تو ہم طاقت کے ذریعہ فیصلہ کرتے کہ امان اللہ خاں اچھا ہے یا کوئی اور۔ لیکن جب یہ نہیں تو ہمارے لئے صحیح راستہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے دعا کریں جو مفید ہو اسے کھڑا کرے اِس سے زیادہ کچھ کرنے کی طاقت ہندوستانی مسلمانوں میں نہیں۔

یہ راہ ہے جس پر چل کر میں سمجھتا ہوں مسلمان دوسری اقوام پر اپنا رُعب اور ان کے دلوں میں اپنا ادب واحترام پیدا کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی کمزور شخص کھڑا ہو جاتا ہے اور زبردست سے کہتا ہے میں تم سے مقابلہ کی طاقت تو نہیں رکھتا لیکن چونکہ میں تمہاری اِس حرکت کو ناپسند کرتا ہوں تم جو چاہو کر لو میں جان دینے کے لئے تیار ہوں تو اُس کی عزت کی جائے گی اور مخالف اس کے مقابلہ کے اِس جذبہ سے مرعوب ہوگا۔ لیکن اگر کسی کو دوسرے نے زمین پر گرایا ہوا ہو اور اُس کی چھاتی پر بیٹھا ہوا اسے مارتا جاتا ہو مگر وہ نیچے سے یہ کہتا چلا جائے کہ میں ابھی تمہاری گردن توڑ دوں گا تو اس کی بات کو کوئی پسند نہ کرے گا۔ دشمن یا تو شہادت پانے والے کی ہمت سے مرعوب ہوتا ہے یا غلبہ سے' کمزوری کے ساتھ زور کا دعویٰ کرنا کچھ اثر نہیں رکھتا۔ پس اپنے احساسات کو ضائع مت کرو اور انہیں دوسروں کے سامنے ذلیل نہ کرو۔

میں نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے اور میں سمجھتا ہوں موجودہ حالت میں یہی ٹھیک راہِ عمل ہے کہ مسلمان صرف اپنی رائے کا اظہار کر دیں اور پھر خدا کے سامنے جھک جائیں اور کہیں اے خدا! وہی ہو جو تیری مرضی۔ (الفضل یکم فروری ۱۹۲۹ء)

---

[1] بخاری کتاب الصوم باب من لم یدع قول الزورِ والعمل به